روزنامہ **الفضل** ربوہ
فون: ۴۴۹ — رجسٹرڈ نمبر ایل ۵۲۵۴
(ایڈیٹر: نسیم سیفی)
جلد ۴۱/۷۶ — جمعرات ۷۔ رجب ۱۴۱۱ھ، ۲۴۔ صلح ہش ۱۳۷۰، ۲۴۔ جنوری ۱۹۹۱ء — نمبر ۲۱

Digitized by Khilafat Library Rabwah

تکلیفوں کا زمانہ لمبا چلنے والا ہے

خلیج کے بحران کے ضمن میں حضرت امام جماعت احمدیہ (الرابع) ایدہ اللہ کا ایک ارشاد:

"آپ دعائیں کریں اور دعائیں کرتے چلے جائیں۔ کیونکہ یہ تکلیفوں کا زمانہ ابھی لمبا چلنے والا ہے۔ ابھی حالات نے کئی پلٹے کھانے ہیں۔ کئی نئے ادوار میں داخل ہونا ہے۔ اس لئے دعا کے لحاظ سے ابھی تاخیر نہیں ہے۔ ہم تو پہلے بھی دعائیں کرنے والے لوگ ہیں۔"
(الفضل ۱۵۔ ستمبر ۱۹۹۰ء)

احمدی احباب کی تربیت کے لئے

ارشادات حضرت بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ

"مَیں نے بعض آدمیوں کو دیکھا اور اکثروں کے حالات پڑھے ہیں جو دنیا میں مال و دولت اور دُنیا کی جھوٹی لذّتیں اور ہر ایک قسم کی نعمتیں اولاد احفاد رکھتے تھے۔ جب مَرنے لگے اور اُن کو اس دنیا کے چھوڑ جانے اور ساتھ ہی ان اشیاء سے الگ ہونے اور دوسرے عالم میں جانے کا علم ہوا تو اُن پر حسرتوں اور بے جا آرزوؤں کی آگ بھڑکی اور سرد آہیں مارنے لگے۔ پس یہ بھی ایک قسم کا جہنّم ہے جو انسان کے دل کو راحت اور قرار نہیں دے سکتا، بلکہ اس کو گھبراہٹ اور بے قراری کے عالم میں ڈال دیتا ہے۔ اس لئے یہ امر بھی میرے دوستوں کی نظر سے پوشیدہ نہیں رہنا چاہیئے کہ اکثر اوقات انسان اہل و عیال اور اموال کی محبّت۔ ہاں ناجائز اور بے جا محبّت میں ایسا محو ہو جاتا ہے اور اکثر اوقات اسی محبّت کے جوش اور نشہ میں ایسے ناجائز کام کر گزرتا ہے جو اُس میں اور خدا تعالیٰ میں ایک حجاب پیدا کر دیتے ہیں اور اُس کے لئے ایک دوزخ تیار کر دیتے ہیں۔"
(ملفوظات جلد اوّل جدید ص۷)

"نفس مطمئنّہ کی یہ نشانی ہے کہ کسی خارجی تحریک کے بدوں ہی وہ ایسی صورت پکڑ جاتا ہے کہ خُدا کے بدوں رَہ نہیں سکتا اور یہی انسانی ہستی کا مدعا ہے اور ایسا ہی ہونا چاہیئے۔ فارغ انسان شکار، شطرنج، گنجفہ وغیرہ اشغال اپنے لئے پیدا کر لیتے ہیں۔ مگر جب مطمئنہ ناجائز اور عارضی اور لبسا اوقات رنج اور کرب پیدا کرنے والے اشغال سے الگ ہو گیا۔ اب الگ ہو کر منقطع عالم اسے کیوں یاد آوے اس لئے خدا ہی سے محبّت ہو جاتی ہے۔"
(ملفوظات جلد اوّل جدید ص۷۱)

مَیں جماعت کو بار بار نصیحت کرتا ہوں کہ وہ پورے صبر کے ساتھ اپنے مسلک پر قائم رہیں

اقتباس از خطبہ جمعہ فرمودہ سیّدنا حضرت امام جماعت احمدیہ (الرابع) ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

"مَیں جماعت کو بار بار نصیحت کرتا ہوں کہ جو کچھ بھی سَر سے گزر جائے پرواہ نہ کریں اور پورے صبر کے ساتھ اپنے مسلک پر قائم رہیں۔ دعائیں کریں اور اللہ تعالیٰ کی مدد کے طالب رہیں اور یاد رکھیں کہ ہم نے قانون کو اپنے ہاتھ میں لے کر اپنے بدلے نہیں اتارنے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جو اسوہ ہمارے لئے پیش فرمایا ہے اس کو چھوڑ کر ہم کہاں زندگی تلاش کریں گے۔ صرف وہی زندگی کا ایک رستہ ہے جب قوموں کو ایسے دَور سے واسطہ ہو جو صبر کا دَور کہلاتا ہے تو پھر دنیا کی کوئی طاقت بھی ان کے صبر کے پیمانہ کو لبریز نہیں کر سکتی۔ وہ یوں نہیں چھلکا کرتا بلکہ چھلکتا ہے تو دعاؤں میں آنسوؤں کے ذریعہ چھلکتا ہے لیکن ظلم کے بدلہ ظلم کی صورت میں نہیں چھلکتا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جو صبر کا دَور تھا وہ مکّی دَور تھا ویسے تو تمام زندگی آپ صبر پر قائم رہے لیکن مکّی دَور میں صبر کی ایک نمایاں حیثیت تھی۔ حضرت خباب رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن پر بہت مظالم ہوتے تھے اور بہت تکلیفیں دی جاتی تھیں وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ مَیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت اکیلے خانہ کعبہ کے سایہ تلے بیٹھے ہوئے تھے۔ مَیں نے عرض کی یا رسول اللہ! اب تو دکھوں کی حد ہو گئی، صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔ وہ کہتے ہیں کہ میری بات سُن کر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ تمتما اٹھا

باقی صـ۸ پر

درخواست دعا

مکرم چوہدری احمد مختار صاحب امیر جماعت احمدیہ کراچی کے متعلق بذریعہ فون اطلاع موصول ہوئی ہے کہ دو روز قبل اچانک ان کی طبیعت خراب ہو گئی تھی۔ سینہ میں بلغم اور درد کی وجہ سے سانس میں بھی دِقّت تھی۔ فوری طور پر انہیں آغا خان ہسپتال میں داخل کروا دیا گیا۔ بعد کی اطلاع کے مطابق موصوف کو ہسپتال سے فارغ کر دیا گیا ہے۔ اور طبیعت قدرے بہتر ہے۔ احباب دعا کریں اللہ تعالیٰ اُن کو شفائے کامل عطا فرمائے۔

اعلان نکاح

○ مکرم ملک مظفر احمد صاحب ابن مکرم مولوی محمد سعید صاحب ساکن کراچی کا نکاح ہمراہ عزیزہ نجمہ احمد صاحبہ بنت مکرم ملک ریاض حسین صاحب مونس ساکن کبیر والا ضلع خانیوال حکیم نذیر احمد ریحان صاحب مربی سلسلہ احمدیہ ملتان نے مورخہ ۱۸ جنوری ۱۹۹۱ء پندرہ ہزار روپیہ حق مہر پر پڑھا۔ برات کراچی سے کبیر والا آئی تھی اور اسی روز شام کو تقریب رخصتانہ عمل میں آئی۔ احباب دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ جانبین کے لئے یہ رشتہ مبارک کرے۔

ولادت

○ مکرم عطاء الرحمٰن صاحب محمود نائب ناظر تعلیم کو اللہ تعالیٰ نے ۱۲، جنوری ۹۱ء کو بیٹی سے نوازا ہے۔ بیٹی کا نام "زردۃ الھدیٰ" رکھا گیا ہے۔ بچی تحریک وقفِ نو میں شامل ہے۔ عزیزہ کے نیک، خادمہ دین اور والدین کے لئے قرۃ العین ہونے کے لئے احباب کی خدمت میں دعا کی درخواست ہے۔

Digitized by Khilafat Library Rabwah

روزنامہ الفضل ربوہ
پبلشر: آغا سیف اللہ ، پرنٹر: قاضی منیر احمد
مطبع: ضیاء الاسلام پریس۔ ربوہ
مقام اشاعت: دارالنصر غربی۔ ربوہ
قیمت
ایک روپیہ پچاس پیسے

۲۴۔ صلح ۱۳۷۰ ہش ۲۴۔جنوری ۱۹۹۱ء

مشعلِ راہ

حضرت بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ فرماتے ہیں:

۱ــــ ایسا ہی جو لوگ انتقام، غضب یا نکاح کو ہر حال میں برا مانتے ہیں وہ بھی صحیفۂ قدرت کے مخالف ہیں۔ اور قویٰ انسانی کا مقابلہ کرتے ہیں۔

۲ــــ یہ جو مختلف ذاتیں ہیں یہ کوئی وجہِ شرافت نہیں۔

۳ــــ لوگ بہت سے مصائب میں گرفتار ہوتے ہیں لیکن متقی بچائے جاتے ہیں بلکہ ان کے پاس جو آجاتا ہے وہ بھی بچایا جاتا ہے۔

۴ــــ متقی وہ ہوتے ہیں جو حلیمی اور مسکینی سے چلتے ہیں۔ وہ مغرورانہ گفتگو نہیں کرتے ان کی گفتگو ایسی ہوتی ہے جیسے چھوٹا بڑے سے گفتگو کرے۔

۵ــــ ہر فعل کے لئے ایک کلید ہے بات کے لئے بھی ایک چابی ہے۔ وہ مناسب طرز ہے۔

۶ــــ جس قدر کوئی محویت میں کم ہے وہ اتنا ہی خدا سے دُور ہے۔ اگر اس کی محویت ویسی ہے جیسے خدا نے فرمایا تو اس کے ایمان کا اندازہ نہیں۔

۷ــــ اللہ تعالیٰ رحیم و کریم ہے ویسا ہی قہّار اور منتقم بھی ہے۔ ایک جماعت کو دیکھتا ہے کہ ان کا دعویٰ اور لاف و گزاف تو بہت کچھ ہے اور ان کی عملی حالت ایسی نہیں تو اس کا غیظ و غضب بڑھ جاتا ہے۔

۸ــــ ہر ایک اپنے اندر غور کرے کہ اس کا اندرونہ کیسا ہے اور اس کی باطنی حالت کیسی ہے۔

۹ــــ شجاعت کے واسطے محل اور بے محل دیکھنا بہت ضروری ہے۔ انسان اگر جانتا ہے کہ مجھ کو فلاں شخص سے طاقت مقابلہ نہیں ہے یا اگر میں وہاں جاؤں گا تو قتل ہو جاؤں گا تو اس کا وہاں نہ جانا ہی شجاعت میں داخل ہے اور پھر اگر محل اور موقعہ کے لحاظ سے مناسب دیکھے کہ میرا وہاں جانا ضروری ہے خواہ جان خطرہ میں پڑتی ہو تو اس مقام پر جانے کا نام شجاعت میں داخل ہے۔

۱۰ــــ جو اپنے جذبات کا تابع ہے وہ ضرور نقصان ہی میں پڑے گا۔

آپ نے اک نظم بھیجی ہے مجھے خط کے بغیر
مجھ کو "اندازِ تخاطب" آپ کا اچھا لگا
کون کہتا ہے کہ حرف و صوت سے ہے گفتگو
خامشی سے بھی تو ہو جاتا ہے حل ہر مسئلہ

ابوالاقبال

نگاہِ شوق

وہ دل ہی کیا ہے کہ جس میں ترا پیار نہیں
ترے لئے جو شب و روز بیقرار نہیں

وہ آنکھ کیا جو ترے غم میں اشکبار نہیں
وہ گوش کیا جسے شوقِ شنیدِ یار نہیں

وہ اِس جہاں میں نہ عُقبیٰ میں سُرخرو ہوگا
جو تیرے فضل و کرم کا اُمیدوار نہیں

خُدا پر اپنے اُسے اعتبار کیا ہوگا
خود اپنی ذات پہ بھی جس کو اعتبار نہیں

قدم قدم پہ نمایاں ہیں سینکڑوں جلوے
یہ اپنی کم نظری ہے جو دیدِ یار نہیں

ہو دید رُوئے منوّر نصیب میں کیسے
نگاہِ شوق اگر وقفِ انتظار نہیں

یہ کیا کہا کہ گلہ آپ سے ہے کوئی مجھے
نہیں حضور نہیں وہ یہ خاکسار نہیں

لگائے دل کوئی دنیائے بے ثبات سے کیا
یہاں تو زیست کا پَل بھر بھی اعتبار نہیں

ہے اک حباب کی صورت یہاں بشر کی حیات
یہ رات دن یہ مہ و سال پائیدار نہیں

ملے گی توبہ کی توفیق کب اسے صدّیق
بشر جو اپنے گناہوں پہ شرمسار نہیں

محمد صدّیق امرتسری

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ فرماتے ہیں:
"میری کوئی نماز ایسی نہیں ہے جس میں مَیں اپنے دوستوں اور اولاد اور بیوی کے لئے دعا نہیں کرتا۔"

Digitized by Khilafat Library Rabwah

ارشادات سیدنا حضرت فضل عمر (اللہ تعالیٰ ہمیشہ آپ سے راضی رہے)

علمی مسائل

یوں تو ہر نیک بندے پر محبت کے ایام کبھی کبھی آتے ہیں۔ حضرت نظام الدین اولیاءؒ کے متعلق ذکر آتا ہے کہ ایک دفعہ اپنے شاگردوں کے ساتھ جا رہے تھے کہ راستہ میں ایک خوبصورت لڑکا گزرا۔ آپ نے آگے بڑھ کر اس کا منہ چوم لیا۔ اس پر شاگردوں نے بھی ایسا ہی کرنا شروع کر دیا کہ شاید اس میں جلوۂ الٰہی ہو۔ ایک شاگرد جو آپ کے خاص منظورِ نظر تھے۔ انہوں نے ایسا نہ کیا۔ باقیوں نے اس پر چہ میگوئیاں شروع کر دیں آگے چلے تو ایک بھٹیاری بھٹی میں آگ جلا رہی تھی اور توں کی آگ کے شعلے نکل رہے تھے جو ایک خوبصورت نظارہ پیش کر رہے تھے۔ آپ کھڑے ہو کر اسے دیکھتے رہے پھر جھکے اور شعلے کو بوسہ دیا۔ اس وقت اس شاگرد نے بھی شعلے کو چوما جس نے لڑکے کو نہیں چوما تھا۔ لیکن باقی شاگرد کھڑے رہے اور کسی کو جرأت نہ ہوئی۔ اس پر انہوں نے کہا کہ تم لوگوں نے خوبصورت بچے کو چوما تھا کیونکہ چھوٹا بچہ سب کو پیارا لگتا ہے۔ حالانکہ خواجہ صاحبؒ کو اس میں خدا کا جلوہ نظر آیا تھا۔ اس لئے انہوں نے اُسے چوما تھا۔ لیکن مجھے چونکہ نظر نہ آیا اس لئے میں نے نہ چوما۔ اب اس آگ میں مجھے خدا کا جلوہ نظر آیا اور میں نے اسے چوم لیا۔ اور یہاں آپ کی اتباع کی۔ لیکن وہاں میری آنکھیں نہ کھلیں۔ اس لئے نہ کی۔ لیکن تم نے ہوا و ہوس کے ماتحت بچے کو چوما۔ تو وقتی طور پر ہر بزرگ پر ایسا وقت آتا ہے کہ بنی نوع انسان کی محبت سے وہ لبریز ہو جاتا ہے۔ مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت وقتی نہ تھی اور آپؐ کی روح اور جسم کا ایک حصہ تھی۔ جس کا پتہ اس سے لگتا ہے کہ جب آپؐ کی وفات کا وقت آیا تو آپ کی زبان پر یہ الفاظ تھے کہ لعن اللّٰہ الیھود والنصاریٰ اتخذوا قبور انبیاءھم مساجدا۔ یعنی خدا یہود اور نصاریٰ پر لعنت کرے کہ انہوں نے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا۔ گویا آپ کے دل میں تڑپ تھی کہ یہود اور نصاریٰ کیوں اپنے لئے جہنم خرید رہے ہیں اور پھر اپنے ماننے والوں کو تنبیہ کی کہ وہ ایسا نہ کریں گویا سکراتِ موت کے وقت بھی آپ کے اندر مسلمانوں اور کفار دونوں کی محبت کا جلوہ تھا۔ ایک طرف یہود اور نصاریٰ کو شرک سے بچانے کا درد تھا۔ دوسری طرف یہ درد تھا کہ یہی غلطی میرے ماننے والے بھی نہ کریں۔ غرض آپ کی ساری زندگی یہ ثابت کرتی ہے کہ آپ بنی نوع انسان کے ہر طبقے کے لئے ہمدردی رکھتے تھے۔

احادیث میں آتا ہے کہ پہلے زمانوں میں خدا تعالیٰ کا دین قبول کرنے والوں کے سروں پر آرے رکھ کر انہیں چیر دیا جاتا تھا اور وہ اُف تک نہیں کرتے تھے۔ لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک سال نہیں دو سال نہیں تین سال نہیں دس سال نہیں متواتر وفات تک آرے چلتے رہے اور آپ نے اس قدر دکھ اٹھائے کہ زمین و آسمان کے خدا کو یہ کہنا پڑا کہ تو تو اس غم میں اپنے آپ کو ہلاک کر رہا ہے کہ یہ لوگ کیوں ایمان نہیں لاتے۔ عیسائی کہتے ہیں کہ مسیح نے ایک دفعہ صلیب پر چڑھ کر سب گنہگاروں کا کفارہ ادا کر دیا تھا۔ مگر مسیح کو تو ساری عمر میں صرف وہی ایک واقعہ پیش آیا لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زندگی کے ہر لمحے میں لوگوں کے لئے صلیب پر چڑھے اور آپ نے ان کے لئے ہزاروں نہیں لاکھوں موتیں قبول کیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ الفاظ جو اس جگہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق استعمال کئے گئے ہیں نہ نوحؑ کے متعلق استعمال کئے گئے ہیں نہ ابراہیمؑ کے متعلق استعمال کئے گئے ہیں نہ موسیٰؑ کے متعلق استعمال کئے گئے ہیں نہ داؤد اور سلیمانؑ کے متعلق استعمال کئے گئے ہیں۔ نہ عیسیٰؑ کے متعلق استعمال کئے گئے ہیں صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق استعمال کئے گئے ہیں۔ کیونکہ دنیا کی اصلاح اور ان کی ہدایت کا غم جو آپ کو تھا وہ دنیا میں اور کسی نبی کو نہ تھا۔ چنانچہ جب ہم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے واقعات کو دیکھتے ہیں تو ہمیں یہ دعویٰ ایک حقیقت بن کر نظر آتا ہے اور ہمیں قدم قدم پر ایسے واقعات دکھائی دیتے ہیں۔ جو آپ کی اس عظیم الشان محبت اور شفقت کا ثبوت ہیں۔ جو آپ کو بنی نوع انسان سے تھی۔ چنانچہ آپ کو خدائے واحد کا پیغام پہنچانے کے لئے سالہا سال تک ایسی تکالیف میں سے گزرنا پڑا کہ جن کی کوئی حد ہی نہیں۔ ایک دفعہ خانہ کعبہ میں کفار نے آپ کے گلے میں پٹکا ڈال کر اتنا گھونٹا کہ آپ کی آنکھیں سرخ ہو کر باہر نکل پڑیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے سنا تو وہ دوڑے ہوئے آئے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس تکلیف کی حالت میں دیکھ کر آپ کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور آپ نے ان کفار کو ہٹاتے ہوئے کہا خدا کا خوف کرو۔ کیا تم ایک شخص پر اس لئے ظلم کر رہے ہو کہ وہ کہتا ہے خدا میرا رب ہے۔ ایک دفعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں ایک چٹان پر بیٹھے کچھ گہری فکر میں تھے۔ کہ اچانک ابوجہل آنکلا اور اس نے آتے ہی آپؐ کو تھپڑ مارا۔ اور پھر گندی سے گندی گالیاں آپؐ کو دینی شروع کر دیں آپؐ نے تھپڑ بھی کھا لیا اور گالیاں بھی سنتے رہے۔ مگر آپؐ نے زبان سے ایک لفظ تک نہیں کہا۔ جب وہ گالیاں دے کر چلا گیا تو آپ خاموشی سے اٹھے اور اپنے گھر تشریف لے گئے۔ حضرت حمزہؓ کی ایک لونڈی اپنے گھر میں سے دروازے میں کھڑی یہ سارا نظارہ دیکھ رہی تھی۔ حمزہؓ اس وقت تک اسلام نہیں لائے تھے۔ وہ سپاہی آدمی تھے اور سارا دن شکار میں لگے رہتے تھے اور شام کے وقت اپنے گھر آتے تھے۔ اس روز بھی وہ شام کے وقت سینہ تان کر بڑے زور زور سے پیر مارتے اور ہاتھ میں تیر کمان پکڑے اونچی بنے ہوئے گھر میں داخل ہوئے۔ وہ لونڈی گھر کی پرانی خادمہ تھی اور پرانے نوکر بھی رشتہ داروں کی طرح ہوتے ہیں۔ صبح سے وہ اپنا غصہ دبائے بیٹھی تھی۔ جب اس نے حمزہؓ کو دیکھا تو بڑے جوش سے کہنے لگی تمہیں شرم نہیں آتی تیر کمان لئے جانور مارتے پھرتے ہو تمہیں پتہ ہے کہ صبح تمہارے بھتیجے کے ساتھ کیا ہوا۔ حمزہؓ نے کہا کیا ہوا؟ اس نے کہا میں دروازے میں کھڑی تھی۔ تمہارا بھتیجا سامنے پتھر پر آرام سے بیٹھا تھا اور کچھ سوچ رہا تھا کہ اتنے میں ابوجہل آیا اور اس نے پہلے تو اس کو تھپڑ مارا اور پھر بے تحاشا گالیاں دینی شروع کر دیں۔ پھر اس نے اپنے زنانہ انداز میں کہا اس نے ابوجہل کو کچھ بھی تو نہیں کہا تھا۔ کوئی بات اس نے نہیں کی تھی۔ جس کی وجہ سے ابوجہل کو غصہ آتا پھر بھی وہ گالیاں دیتا گیا اور دیتا گیا۔ تمہارا بھتیجا چپ کر کے سامنے کی طرف دیکھتا رہا اور اس نے ان کا کوئی جواب نہ دیا۔ ایک عورت اور پھر خادمہ کی زبان سے یہ بات سن کر حمزہؓ کی غیرت جوش میں آئی اور خانہ کعبہ کی طرف چل پڑے۔ رؤساء مکہ کا طریق تھا شام کے وقت خانہ کعبہ میں بیٹھ کر اپنی بڑائیاں بیان کیا کرتے تھے اور لوگ ان کی تعریف کرتے۔ تمام رؤسا بیٹھے ہوئے تھے اور ابوجہل بھی ان میں موجود تھا کہ حمزہؓ گئے اور انہوں نے وہی کمان جو ان کے ہاتھ میں تھی ابوجہل کے منہ پر ماری اور کہا میں نے سنا ہے تم نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مارا بھی ہے اور گالیاں بھی دی ہیں۔ اور میں نے سنا ہے محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی لفظ تم کو نہیں کہا تھا۔ جس کے بدلے میں تم گالیاں دیتے پھر حمزہؓ نے کہا تم بہادر بنے پھرتے ہو اور جو چپ کر جاتا ہے اس پر ظلم اور تعدی کرتے ہو۔ اب میں نے سارے مکہ کے سامنے تمہیں مارا ہے۔ اگر تم میں ہمت ہے تو مجھے مار کر دیکھو۔ مکہ کے نوجوان حمزہؓ کو پکڑنے کے لئے اٹھے۔ مگر ابوجہل پر ان کا ایسا رعب طاری ہوا کہ اس نے کہا جانے دو۔ صبح مجھ سے ہی کچھ زیادتی ہو گئی تھی۔

(السیرۃ الحلبیہ جلد اول صفحہ ۳۱۵)

ایک دفعہ آپؐ خانہ کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے۔ جب آپؐ سجدے میں گئے تو بعض شریروں نے آپؐ کی پیٹھ پر اونٹ کی اوجھری لا کر رکھ دی۔ اور چونکہ وہ بڑی بھاری تھی آپؐ سجدہ سے سر نہ اٹھا سکے۔ حضرت فاطمہؓ کو اس بات کا علم ہوا تو وہ روتی ہوئی آئیں اور انہوں نے آپؐ کی پیٹھ پر سے اوجھری ہٹائی۔

ایک دفعہ آپؐ بازار سے گزر رہے تھے کہ مکہ کے اوباشوں کی ایک جماعت آپؐ کے گرد ہو گئی اور رستہ بھر آپؐ کی گردن پر یہ کہہ کر تھپڑ مارتی چلی گئی کہ لوگو یہ وہ شخص ہے جو کہتا ہے کہ میں نبی ہوں۔

آپؐ کے گھر میں ارد گرد کے گھروں سے متواتر پتھر پھینکے جاتے تھے۔ باورچی خانے میں گندی چیزیں پھینکی جاتی تھیں۔ جن میں بکریوں اور اونٹوں کی انتڑیاں بھی شامل ہوتی تھیں جب آپؐ نماز پڑھتے تو آپؐ کے اوپر گرد و غبار ڈالی جاتی تھی حتیٰ کہ مجبور ہو کر

باقی ص۸ پر

Digitized by Khilafat Library Rabwah

حضرت مرزا بشیر احمد صاحب

ظہورِ اسلام سے پہلے عرب کا تہذیب و تمدن

ظہورِ اسلام سے پہلے عرب کا مُلک سوائے چند ساحلی علاقوں کے بیرونی دنیا سے ایک بالکل منقطع حالت میں تھا حتیٰ کہ نہ اس پر کبھی کسی بیرونی قوم یا سلطنت کا اثر ہوا اور نہ عرب لوگ خود کبھی مستقل طور پر اپنے وطن سے باہر نکلے۔ خود ملک کے اندر بھی اسلام سے پہلے کبھی کوئی متمدن مرکزی سلطنت قائم نہیں ہوئی۔ بیشک بعض اوقات بعض علاقہ جات میں بعض ریاستیں قائم ہوئیں مگر ان کا اثر صرف مقامی تھا اور تمام ملک کبھی بھی کسی ایک تاجدار کے سامنے نہیں جھکا۔ بلکہ عموماً ہر قبیلہ آزاد تھا اور اپنا الگ الگ سردار رکھتا تھا۔ مگر عرب میں سرداری کسی کو باقاعدہ ورثہ میں نہ ملتی تھی اور نہ ہی یہ سرداری کوئی باقاعدہ حکومت کے رنگ میں ہوتی تھی بلکہ عموماً کسی قبیلہ میں جو شخص بھی سب سے زیادہ قابل ہوتا تھا۔ اس کی مرضی پر لوگ چلتے تھے اور وہ قوم کا سردار سمجھا جاتا تھا۔

طرزِ زندگی کے لحاظ سے عربوں کی خوراک و لباس اور عام بود و باش نہایت سادہ اور ابتدائی تھی۔ عام خوراک عربوں کی اونٹوں اور بکریوں کا دودھ اور کھجور تھی۔ جَو کے ستو بھی عموماً استعمال ہوتے تھے۔ ذی ثروت لوگ گوشت بھی کھاتے تھے اور اونٹ یا بکری کے بھنے ہوئے گوشت کو بہت پسند کیا جاتا تھا۔ شوربے میں روٹی کو بھگو کر کھانا ایک اعلیٰ قسم کی غذا سمجھی جاتی تھی جسے عرب لوگ ثرید کہتے تھے۔ لباس میں بھی سادگی اور عسرت کا عالم تھا۔ عام لوگوں کے پاس ایک چادر سے زائد کپڑا نہ ہوتا تھا جو وہ تہ بند کے طور پر باندھے پھرتے تھے۔ قمیص صرف خاص خاص لوگ استعمال کرتے تھے۔ اور جُبّہ تو گویا ایک بڑی نعمت تھی۔ گھروں میں عموماً فرش یا چارپائی نہیں ہوتے تھے۔ لوگ عموماً کھجور کی چٹائیوں پر سوتے تھے۔ البتہ ذی ثروت لوگوں میں لکڑی کے تخت استعمال ہوتے تھے۔ اوڑھنے کو عموماً اونٹ کی اون کے بنے ہوئے بھدّے سے کمبل ہوتے تھے باقاعدہ مکان کم تھے عموماً خیمے یا پھُوس کے چھپّر یا کچے مکان استعمال ہوتے تھے۔ البتہ بعض خاص خاص عمارتیں پتھروں کی بھی بنائی جاتی تھیں۔

تقسیم آبادی کے لحاظ سے عرب دو حصوں میں منقسم تھے۔ الحضر اور البدو یعنی شہروں میں رہنے والے اور جنگل میں رہنے والے۔ شہروں میں رہنے والے چونکہ ایک جگہ جم کر سکونت اختیار کرتے تھے اس لئے ان کا ایک خاص تمدن تھا اور ان میں ایک مدنیت کا رنگ تھا مگر بدوی لوگوں کی زندگی جنگلی اور خانہ بدوشوں کی سی زندگی تھی۔ وہ خیموں اور عارضی گھروں میں رہتے تھے اور اپنے بال بچوں اور مویشیوں کو لے کر ایک وسیع علاقہ میں اِدھر اُدھر آزادانہ پھرتے رہتے تھے۔ جہاں پانی اور سبزی پاتے وہیں ڈیرہ لگا دیتے۔ پھر کسی اَور طرف نکل جاتے۔ اسی طرح ان کی ساری عمر بسر ہو جاتی تھی۔ اس طرزِ زندگی کے نقشے قدیم شاعروں نے اپنے کلام میں نہایت خوبی کے ساتھ کھینچے ہیں۔ ان لوگوں کی زبان شہری لوگوں کی نسبت زیادہ صاف اور خالص تھی اور ان میں اصل عربی فطرت اور عربی عادات کی تصویر زیادہ واضح طور پر نظر آتی ہے ان کا پیشہ زیادہ تر ایک چرواہے کا سمجھنا چاہیئے۔

عربوں میں لین دین عموماً جنس کا جنس سے ہوتا تھا لیکن سونے اور چاندی کے بعد سے سکّے بھی چلتے تھے۔ چنانچہ چاندی کے دو سکّے رائج تھے۔ درہم اور اوقیہ۔ ایک اوقیہ کی قیمت چالیس درہم کے برابر سمجھی جاتی تھی۔ سونے کا مروّج سکّہ دینار تھا۔ ترازو سے تولنے کا رواج کم تھا۔ عموماً ماپ کا دستور تھا چنانچہ مُدّ اور صاع عرب کے دو مشہور پیمانے تھے۔ ناپنے کا آلہ صرف ذراع یعنی ہاتھ تھا جسے گویا ڈیڑھ فٹ کے برابر سمجھنا چاہیئے۔

ختنہ کی رسم عربوں میں عام تھی حتیٰ کہ بعض اوقات عورتیں بھی ختنہ کرواتی تھیں مُردوں کو غسل دینے اور کفن میں لپیٹ کر دفن کرنے کا رواج تھا۔ عرب لوگ داڑھی رکھتے اور عموماً مونچھیں کترواتے تھے۔ سود لینے دینے کا رواج بھی کم و بیش پایا جاتا تھا۔

عربوں کی تجارت

عربوں کے قومی پیشے صرف تین تھے۔ اوّل: زراعت جو ملک کے ایک نہایت قلیل حصہ تک محدود تھی۔ دوسرے مویشیوں کا پالنا جسے انگریزی میں پاسچرنگ کہتے ہیں۔ یہ بھی ملک کے صرف خاص خاص حصوں میں ہی ممکن تھا۔ تیسرے تجارت جسے گویا ملک کا سب سے بڑا پیشہ سمجھنا چاہیئے۔ عرب کے لوگ ہمیشہ سے تجارت پیشہ رہے ہیں خصوصاً وہ قبائل جو ساحلِ سمندر کے پاس یا متمدن ملکوں کے قرب میں آباد تھے قدیم سے تجارت میں مصروف چلے آئے ہیں۔ ابتدائی زمانہ میں تو مشرق و مغرب کے درمیان تجارتی مال لانے اور لے جانے کا بڑا ذریعہ عرب لوگ ہی تھے۔ چنانچہ ایک طرف شام و مصر اور دوسری طرف سواحل بحرِ ہند کے درمیان ان کے تجارتی قافلے برابر آتے جاتے تھے جو گویا ہندوستان اور شام و مصر کے درمیان ایک تجارتی کڑی کا کام دیتے تھے۔ مگر سمندر کا راستہ کھل جانے سے عربوں کی اس تجارت کو سخت نقصان پہنچا اور اس قدیم راستہ پر جو شام سے حجاز اور پھر یمن اور پھر حضر موت کے اندر سے ہوتا ہُوا عرب کے مشرقی ساحل کی طرف جاتا تھا تجارتی قافلوں کی آمد و رفت عملاً بالکل رُک گئی اور صرف ملک کے اندر کی معمولی تجارت باقی رہ گئی۔ یہ اندرونی تجارت حجاز۔ یمن بحرین اور نجد وغیرہ کے اندر اندر محدود تھی مگر آنحضرت صلعم کی ولادت سے قریباً ایک سو سال پہلے شام کے ساتھ حجاز و یمن کی تجارت کا سلسلہ پھر شروع ہُوا۔ گو اس پہلے پیمانہ پر تو نہ تھا اور نہ ہو سکتا تھا لیکن پھر بھی ملک میں اس سے کچھ جان آ گئی تھی آنحضرت صلعم کے زمانہ میں قریشِ مکہ کے تجارتی قافلے باقاعدہ شام اور یمن کی طرف آتے جاتے تھے اور بعض اوقات عرب کے دوسرے حصّوں کی طرف بھی جاتے تھے مگر اس زمانہ میں قریش مکہ کی بڑی تجارت شام سے تھی۔ مکہ سے شام کی طرف جانے کا زیادہ مستعمل راستہ بحراحمر کے ساتھ ساتھ شمال کو جاتا تھا۔ یثرب کا شہر جس نے بعد میں مدینہ کا نام پایا اسی راستہ کے قرب میں واقعہ تھا۔ شامی راستہ پر وہ مقام جہاں سے مدینہ کا راستہ مشرق کی طرف الگ ہو جاتا تھا بدر ہے جہاں مسلمانوں اور مشرکوں کے درمیان سب سے پہلی لڑائی ہوئی۔

برآمد کا مال عموماً قیمتی دھاتوں۔ موتیوں۔ جانوروں کی کھالوں۔ گرم مصالحہ جات اور خوشبودار چیزوں پر مشتمل ہوتا تھا۔ اور جیسا کہ قیاس کیا جا سکتا ہے درآمد بالعموم غلہ۔ پارچات۔ سامانِ حرب۔ شراب اور کھانے کی خشک چیزوں پر مشتمل تھی۔

عرب میں قاعدہ تھا کہ سال کے مختلف حصّوں میں ملک کے مختلف مقاموں میں تجارتی میلے لگا کرتے تھے جن میں دُور دراز سے تاجر لوگ آ کر شامل ہوتے اور تجارت کرتے تھے۔ ان میلوں کے لئے قرب شام میں دومۃ الجندل۔ بحرین میں مشقر۔ عمان میں دبا۔ یمن میں صنعا اور حجاز میں عکاظ خاص شہرت رکھتے تھے۔

تعلیم اور قدیم شاعری

تعلیم عرب میں تھی تو سہی مگر بہت ہی کم تھی۔ سوائے خاص خاص اشخاص کے سارا ملک ان پڑھ تھا اور یہ چند خواندہ لوگ بھی زیادہ تر شہروں میں آباد تھے مگر باوجود اس جہالت کے عربوں کو اپنی فصاحت و بلاغت پر بڑا گھمنڈ تھا۔ حتیٰ کہ عرب اپنے سوا باقی تمام دنیا کو عجمی یعنی گنگ کہتے تھے اور اس میں شک نہیں کہ زبان کی فصاحت میں عرب کو واقعی حد درجہ کمال حاصل تھا۔ زمانۂ جاہلیت کے شعراء کا کلام آج تک محفوظ ہے اس کے اندر جو فصاحت و بلاغت جو زور اور جوش و خروش جو آزادانہ زندگی کی جھلک اور طبعی بہاؤ کی لہریں نظر آتی ہیں وہ کسی اَور قوم اور کسی اَور وقت کی شاعری میں کم ملیں گی اور ان لوگوں میں یہ ایک خصوصیت تھی کہ اپنے دلی خیالات کو نہایت بے تکلفی کے ساتھ بالکل ننگی زبان میں کہہ جاتے تھے۔ کوئی تصنّع نہیں کوئی بناوٹ نہیں طبیعت پر کوئی زور نہیں۔ اسی لئے ان کا کلام ان کے خیالات اور جذبات اور عادات کی پوری پوری ترجمانی کرتا ہے۔

عرب قوم اپنی اس خوبی کو خود بھی خوب سمجھتی تھی چنانچہ ایک مؤرخ نے لکھا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں عرب ایک دوسرے کو صرف تین موقعوں پر مبارکباد کہتے تھے۔ اوّل کسی لڑکے کی ولادت پر۔ دوسرے کسی شاعر کے سر نکالنے پر اور تیسرے عمدہ بچھیرے کے پیدا ہونے پر۔ اس مختصر فقرہ میں عربی زندگی کا پورا نقشہ آ جاتا ہے۔

عرب میں شعراء گویا ملک کے لیڈر سمجھے جاتے تھے۔ ان کو یہ طاقت حاصل تھی کہ اپنے کلام کے زور سے دو قبائل کے درمیان جنگ کرا دیں اور ملک میں آگ لگا دیں۔ عرب کے خاص خاص مقامات میں شعراء جمع ہو کر طبع آزمائیاں کرتے تھے۔ عکاظ جو نخلہ اور طائف کے درمیان مکہ سے مشرق کی طرف ایک شاداب جگہ ہے ایسے میلوں کے لئے زمانۂ جاہلیت میں خاص شہرت رکھتا تھا۔ یہاں ہر سال ذیقعدہ میں میلہ لگتا تھا اور دُور دراز سے لوگ جمع ہوتے تھے اور علاوہ دوسری باتوں کے مختلف قبائل عرب کے درمیان فصاحت و بلاغت اور شاعری کے مقابلے بھی ہُوا کرتے تھے۔

فتح مکہ کے بعد جب تمام اطراف عرب سے

Digitized by Khilafat Library Rabwah

آنحضرت صلعم کی خدمت میں مختلف قبائل کے وفد حاضر ہوئے تو ان میں سے بنو تمیم نے جو معیارِ صداقت آنحضرت صلعم کے سامنے پیش کیا۔ اس سے ملکِ عرب میں شاعری کی حیثیت کا پتہ چلتا ہے انہوں نے بجائے اور دلیلوں میں پڑنے کے آنحضرت صلعم سے کہا کہ ہم تو صرف اس لئے آئے ہیں کہ آپ کے اور اپنے شاعر کا مقابلہ کرا کے دیکھیں۔ چنانچہ انہوں نے اپنا شاعر کھڑا کر دیا جس نے اپنے قبیلہ کی تعریف میں چند اشعار کہے۔ پھر آنحضرت صلعم نے مسلمانوں کی طرف سے حضرت حسان بن ثابت انصاری کو کھڑے ہونے کا ارشاد فرمایا جنہوں نے آنحضرت صلعم اور آپ کے صحابہ کی تعریف میں چند زوردار شعر کہے جن کی فصاحت کا لوہا بنو تمیم کو ماننا پڑا اور اس کے بعد یہ قبیلہ مسلمان ہو گیا۔ (ذکر وفد بنو تمیم)

عادات اور قومی خصائل

عرب کے گندے خصائل میں سے ان کی تین عادتیں خاص امتیاز رکھتی ہیں۔ شراب خوری قمار بازی اور زنا ملک میں ان کی اتنی کثرت تھی کہ خدا کی پناہ۔ اور اس پر تعجب یہ ہے کہ عموماً ان کو جائے فخر سمجھا جاتا تھا چنانچہ زمانہ جاہلیت کے شاعر بڑے مزے لے کر ان سیہ کاریوں کے متعلق اپنے کارنامے سناتے ہیں بلکہ اس قسم کے ذکر کے بغیر عربوں میں شعر کی کچھ حقیقت ہی نہ سمجھی جاتی تھی۔ چنانچہ یہ ضروری خیال کیا جاتا تھا کہ قصیدہ کے شروع میں خواہ وہ کسی غرض سے کہا گیا ہو شاعر چند کھلی کھلی باتوں میں اپنی اصلی یا مفروضہ معشوقہ کا ذکر کرے اور اس کے ساتھ اپنی چند مجلسوں کے کارنامے سنائے۔ کعب ابن زہیر ایک مشہور شاعر تھا۔ وہ آنحضرت صلعم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کی مدح میں ایک قصیدہ کہہ کر لایا جو آجکل بانت سعاد کے نام سے مشہور ہے اس کے شروع میں بھی شاعر اپنی محبوبہ ہی کی جدائی کا دکھڑا روتا ہے۔ بے حیائی کا یہ عالم تھا کہ بعض اوقات خود مالک اپنی لونڈیوں سے بدکاری کرواتے اور اس کی آمد وصول کرتے تھے۔ یہ بھی گویا ایک آمد کا ذریعہ تھا مگر شرفاء کا دامن عموماً اس قسم کی انتہائی بے حیائی سے پاک تھا۔

جہالت اور بے جا جوش وخروش کا عرب میں یہ حال تھا کہ بات بات پر تلوار چل جاتی تھی۔ تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ بعض اوقات ایک ذرہ سی بات پر دو قبیلوں میں جنگ شروع ہوئی۔ پھر آہستہ آہستہ بعض دوسرے قبائل بھی شریک ہو گئے اور سالہا سال تک قتل وغارت کا سلسلہ جاری رہا۔ ذیل کا واقعہ ایامِ عرب کی تاریخ کا ایک معمولی ورق ہے۔

پانچویں صدی عیسوی کے آخر میں کلیب بن ربیعہ ایک بڑا طاقتور اور صاحبِ اثر رئیس گذرا ہے۔ یہ قبیلہ بنو تغلب بن وائل کا سردار تھا جو عرب کے شمال مشرق میں رہتے تھے۔ کلیب کی بیوی جلیلہ بنت مرة قبیلہ بنو بکر بن وائل سے تھی۔ اس جلیلہ کا ایک بھائی تھا جس کا نام جساس تھا جو اپنی خالہ بسوس کے ساتھ رہا کرتا تھا۔ اب اتفاق ایسا ہوا کہ بسوس کے پاس ایک شخص سعد نامی بطور مہمان آکر ٹھہرا۔ سعد کی ایک اونٹنی تھی جس کا نام سراب تھا ...... جو بوجہ تعلقات رشتہ داری کے کلیب کی چراگاہ میں جساس کی اونٹنیوں کے ساتھ مل کر چرا کرتی تھی۔

ایک دن ایسا اتفاق ہوا کہ کلیب ایک درخت کے نیچے سے گذر رہا تھا کہ درخت کے اوپر سے اس کو ایک پرندے کی آواز آئی کلیب نے اوپر نظر اٹھا کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ ایک پرندے نے اس درخت پر ایک گھونسلا بنا کر اس میں انڈے دے رکھے تھے۔ کلیب نے اس پرندے کی طرف اپنے سردارانہ بدوی انداز میں دیکھا اور بولا۔ "کسی سے مت ڈر۔ میں تیری حفاظت کروں گا۔" دوسرے دن جب کلیب وہاں سے گذرا تو اس نے دیکھا کہ انڈے درخت سے نیچے گرے پڑے ہیں۔ اور کسی جانور کے پاؤں سے مسلے ہوئے ہیں اور پرندہ اوپر دردبھری آواز نکال رہا ہے۔ کلیب کو اپنی کل کی بات یاد آئی اور اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔ اس نے ادھر اُدھر نظر کی تو سعد کی اونٹنی چر رہی تھی کلیب نے خیال کیا کہ ضرور انڈے اسی اونٹنی نے توڑے ہوں گے غصہ سے مغلوب ہو کر وہ اپنے سالے جساس کے پاس آیا اور کہنے لگا۔ "دیکھو جساس! اس وقت میرے دماغ میں ایک خیال ہے اگر مجھے اس کا یقین ہو تو میں کچھ کر گذروں۔ مگر دیکھو آئندہ سعد کی یہ اونٹنی اس گلے کے ساتھ یہاں نہ چرا کرے" جساس کی رگوں میں بھی عرب کا بدوی خون تھا۔ اس نے سامنے سے جواب دیا "یہ ہمارے مہمان کی اونٹنی ہے جہاں میری اونٹنیاں چریں گی وہیں یہ بھی چرے گی۔ کلیب نے کہا "اچھا تو اگر مجھے یہ اونٹنی پھر یہاں نظر آئے گی تو میں اس کے شیردان میں تیر مار کر اسے ہلاک کر دوں گا۔" جساس بولا "اگر تُو نے ایسا کیا تو مجھے بھی وائل کے بتوں کی قسم ہے کہ میں خود تیرا سینہ تیر سے چھید کر رکھ دوں گا۔" یہ کہہ کر جساس وہاں سے چلا گیا اور کلیب سخت غضب کی حالت میں اپنے گھر آیا اور اپنی بیوی جلیلہ سے کہنے لگا۔

"کیا تو کسی ایسے آدمی کو جانتی ہے جو میرے مقابل پر اپنے پڑوسی کی حفاظت کی جرأت کرے گا۔" اس نے کہا۔ "ایسا تو کوئی نہیں مگر ہاں میرا بھائی جساس ہے اگر وہ اپنے منہ سے کوئی بات کہہ بیٹھے تو وہ اسے ضرور پورا کرے گا۔"

اس کے بعد جلیلہ نے اپنی طرف سے اس جھگڑے کو روکنے کی بہت کوشش کی مگر کامیاب نہ ہو سکی۔ آخر ایک دن جب کلیب اپنے اونٹوں کو پانی پلا رہا تھا اتفاقاً جساس بھی اوپر سے اپنے اونٹ لئے آیا اور مزید اتفاق ایسا ہوا کہ اس کے گلے سے وہی سعد کی اونٹنی چھوٹ کر کلیب کے اونٹوں میں آکر پانی پینے لگ گئی۔ کلیب نے اسے دیکھا اور خیال کیا کہ جساس نے دیدہ دانستہ اسے چھوڑا ہے اس پر اس نے اپنی کمان لی اور اس کے شیردان میں تیر مارا جو سیدھا اپنے نشانہ پر بیٹھا اور سعد کی اونٹنی تڑپتی اور چلاتی ہوئی دوڑی اور جساس کی خالہ بسوس کے دروازے کے سامنے پہنچ کر گر گئی۔ بسوس نے یہ نظارہ دیکھ کر اپنا سر پیٹنا شروع کر دیا۔ اور زور سے چلا چلا کر کہا۔ "شرم شرم! ہم ذلیل کئے گئے اور ہمارے مہمان کی اونٹنی مار دی گئی" جساس نے یہ الفاظ سنے تو شرم اور غیرت سے کٹ گیا اور غضب میں آکر اس نے کلیب کو قتل کر دیا۔ کلیب کے قتل نے قبیلہ تغلب میں آگ لگا دی اور اپنے سردار کے انتقام کے لئے وہ یک جان ہو کر اٹھ کھڑے ہوئے جس کے نتیجہ میں قبائل تغلب اور بکر میں وہ خطرناک لڑائیاں ہوئیں اور اتنا قتل وخون ہوا کہ خدا کی پناہ آخر چالیس سال کے بعد جب دونوں قبائل کٹ کٹ کر کمزور ہو گئے تو ریاست حیرہ کے بادشاہ منذر ثالث کے ذریعہ سے ان میں پھر صلح ہوئی۔ یہ جنگ تاریخ عرب میں جنگِ بسوس کے نام سے مشہور ہے

عرب کے جنگوں میں عام طور پر ثار یعنی انتقام کا بڑا دخل ہوتا تھا۔ ثار کا عقیدہ گویا عرب کے دین و مذہب کا جزو اعظم تھا۔ ان کا ایمان تھا کہ جب تک بدلہ نہ لے لیا جاوے مقتول کی روح ایک جانور کی صورت اختیار کر کے ہوا میں نوحہ کرتی پھرتی ہے۔ اس جانور کو عرب لوگ صدیٰ کہتے تھے۔ جب کسی قبیلے کا کوئی آدمی مارا جاتا تھا تو اس کے رشتہ داروں اور اہل قبیلہ کا یہ فرض ہو جاتا تھا کہ قاتل یا اس کے کسی رشتہ دار یا اس کے قبیلہ کے کسی آدمی کو اس کے بدلے میں قتل کریں۔ مقتول کے بدلے میں دیت یعنی خون بہا لینے کا بھی رواج تھا مگر اس میں مالی پہلو اتنا متصور نہ تھا جتنا یہ کہ قاتل کا قبیلہ ذلیل اور شرمندہ ہو کر مقتول کا خون بہا ادا کرے۔ لیکن عموماً جب تک مقتول کا بدلہ قتل کے ساتھ نہ لے لیا جاتا۔ اس وقت تک اس کے رشتہ داروں کے دلوں میں ایک آگ سی لگی رہتی تھی جسے صرف قاتل کا خون ہی بجھا سکتا تھا۔ لیکن جب ایک طرف کی آگ بجھ جاتی تھی تو دوسری طرف یہی آگ بھڑک اٹھتی اور اس طرح یہ سلسلہ ایسا وسیع ہوتا چلا جاتا تھا کہ بعض اوقات قبیلے کے قبیلے اس میں بھسم ہو جاتے تھے۔

صرف قاتل کو مار دینے تک مقتول کا انتقام ختم نہ ہوتا تھا بلکہ مُردوں کے ہاتھ پاؤں کان ناک وغیرہ کاٹ کر بھی اپنے دل کو ٹھنڈا کیا جاتا تھا۔ اس طریق کو عربوں میں مُثلہ کہتے تھے اور عرب کی جنگوں میں اس کا عام رواج تھا۔ چنانچہ ہم آگے چل کر دیکھیں گے کہ جنگِ اُحد میں ابوسفیان کی بیوی ہندہ نے آنحضرت صلعم کے چچا حضرت حمزہؓ کے ساتھ جنہوں نے جنگِ بدر میں اس کے باپ عتبہ کو قتل کیا تھا یہی سلوک کیا بلکہ نہایت بیدردی کے ساتھ آپ کا جگر نکال کر چبا گئی۔ عورتیں اور بچے جو جنگ میں قید ہو کر آتے تھے ان کو قتل کر ڈالنے میں بھی عربوں کو دریغ نہ ہوتا تھا۔ انتقام پورا کرنے کے واسطے مُردوں کی کھوپریوں میں شراب پینا۔ نیزہ مار کر حاملہ عورتوں کا حمل گرا دینا۔ غفلت کی حالت میں سوتے ہوئے آدمیوں پر حملہ کر کے مار دینا وغیرہ ذالک یہ ایسی باتیں تھیں جن کو عرب کی سوسائٹی عموماً ناجائز نہیں سمجھتی تھی۔

جنگوں میں عرب کا دستور تھا کہ ایک اونچی جگہ پر آگ جلا دیتے تھے اور دورانِ جنگ میں اسے برابر جلتا رکھتے تھے اور اس کے بجھ جانے کو بری فال خیال کرتے تھے۔ چنانچہ آگے چل کر ہم دیکھیں گے کہ جب جنگِ احزاب میں کسی وجہ سے ایک افسر کی آگ بجھ گئی تو وہ گھبرا کر رات کے وقت اکیلا ہی میدانِ جنگ سے بھاگ نکلا جس کی وجہ سے باقی فوج میں بھی بھاگڑ پڑ گئی۔

جنگ میں عموماً عورتیں بھی ساتھ جاتی تھیں جن کا کام یہ ہوتا تھا کہ غیرت اور جوش دلانے کے شعر پڑھ پڑھ کر آتشِ حرب کو بھڑکاتی رہیں۔ زخمیوں کی نگہداشت بھی عموماً عورتیں ہی کرتی تھیں۔ چنانچہ یہ رسم ایک حد تک اسلام میں بھی قائم رہی۔

لڑائی میں یہ عام دستور تھا کہ پہلے ایک ایک آدمی کا انفرادی مقابلہ ہوتا تھا

باقی صـ پر

Digitized by Khilafat Library Rabwah

مبشر احمد خالد مربی سلسلہ

فلسفۂ حیات، ہم اور ہماری زندگی

حقیقت یہ ہے کہ ہماری زندگی کا سب سے اہم اور بڑا مسئلہ فلسفۂ حیات کو سمجھنا ہے جس نے بھی بنی نوع انسان کی تخلیق کا مقصد اور حیات انسان کی حقیقت کا ادراک حاصل کر لیا وہ کامیاب و کامران رہا۔ اور جو بھی فلسفۂ حیات کو سمجھنے سے محروم رہا وہ حقیقی زندگی گزارنے میں ناکام و نامراد رہا اور اشرف المخلوقات کے اعزاز کو برقرار نہ رکھ سکا بے مقصد اور بے فائدہ زندگی کے انجام اور عام کسی جانور کی زندگی کے انجام میں کوئی فرق یا امتیاز نہیں ہو سکتا۔ یہی وہ سب سے بڑا راز ہے۔ جس کے سمجھنے میں ہی ہمارے جملہ مسائل مشکلات اور پریشانیوں کا حل پنہاں ہے۔

ہر چند کہ آج کا انسان مادی طور پر ترقیات کی چوٹیوں پر قدم مار رہا ہے۔ اور ہر قسم کی سہولتوں سے مالا مال ہو رہا ہے۔ وہ کام جو سینکڑوں افراد مل کر کئی دنوں میں کیا کرتے تھے آج وہی کام مشین کے ذریعہ ایک آدمی چند لمحوں میں کئی گنا زیادہ اور عمدہ طریق پر کر رہا ہے وہ گرمیوں اور سردیوں کی اذیتوں پر مبنی سفر جنکے طے کرنے میں سال اور مہینے گزر جاتے ہیں آج وہی سفر بغیر کسی اذیت کے چند دنوں اور گھنٹوں میں طے ہو رہے ہیں۔ لیکن ان ساری باتوں کے باوجود دن بدن ایک انسان ذہنی طور پر بے چین اور بے سکون ہو رہا ہے۔ جس سے نجات حاصل کرنے کیلئے چند لمحات نیند کا وہ متلاشی ہے۔ نیند تو در کنار اونگھ بھی مصنوعی طریقوں سے حاصل کرنے پر وہ مجبور ہو رہا ہے۔ اسکی سب سے بڑی اور صحیح وجہ صرف یہی ہے کہ آج کا انسان مقصدِ حیات اور فلسفۂ حیات سے بالکل ناآشنا ہو چکا ہے۔ اور زندگی کی حقیقت پر کبھی نہیں سوچتا۔ وہ یہی سمجھتا ہے کہ باقی کائنات کی طرح انسان بھی ایک اتفاقی حادثہ ہے۔ اور اُسکی زندگی کا کوئی راز نہیں۔ جسے وہ معلوم کرنے کی کوشش کرے۔ اور وہ یہی سمجھتا ہے کہ زندگی بس صرف زندگی ہی ہے۔ اسے کسی نہ کسی طرح گزارنا ہے اور اُس کا دامن نہیں چھوڑتا۔ اور یہ صرف اسی صورت میں میرے پاس رہ سکتی ہے۔ اور خوشکن ہو سکتی ہے کہ اسے دنیاوی عزت و آبرو اور مال و زر کی بلاشرکتِ غیر ملکیت حاصل ہو جائے۔ وہ جو چاہے کر گزرے اور اُسے کسی چیز کا بھی خوف اور ڈر نہ ہو۔ وہ اپنے فیصلوں میں بالکل آزاد ہو۔ حالانکہ اس سوچ کی کوئی منزل یا انتہا نہیں ہے۔ جہاں پہنچ کر انسان مطمئن ہو سکے۔ ہر منزل کے بعد ایک اور منزل کھڑی ہے۔ اور ہر منزل اُسکی انتظار میں آنکھیں بچھائے بیٹھی ہے اور اس طرح یہ بے مقصد بے مصرف لامتناہی سفر اپنے اختتام کو پہنچ جاتا ہے اور یونہی بے فائدہ اسکی صبح و شام ہوتی ہے۔ اور رفتہ رفتہ زندگی تمام ہوتی ہے۔ اور ابھی ہزاروں خواہشات اور ہزاروں حسرتیں اور آرزوئیں باقی ہوتی ہیں۔ جب اسی طرح ایک انسان نے اس دنیا سے رخصت ہو جانا ہے۔ جسطرح ہزاروں آرزوؤں کے ساتھ وہ اس دنیا میں وارد ہوا تھا۔ تو ایسی ہزار سالہ زندگی کا کیا فائدہ جس میں ہمیشہ انسان پابندِ زمان و مکاں ہی رہے گا۔ شام کو سو جائے گا۔ رات کو خواب دیکھے گا۔ دن گردشوں میں رہے گا۔ خوشی کے چند ایام اور غم کے لامتناہی سلسلے۔ اور کسی ایسے مقصد میں بھی کامیابی تو زندگی کی کامیابی نہیں۔ جس سے آرزوؤں اور تمناؤں کا سلسلہ جوں کا توں رہے۔ پس ثابت ہوا کہ مادی لحاظ سے استحکام کامیاب زندگی کا ضامن نہیں ہو سکتا۔ در حقیقت زندگی کا مقصد اور فلسفہ کچھ اور ہے۔ جسکی طرف آج کا انسان توجہ نہیں کر رہا اور دن رات ان کوششوں میں مصروف ہے جنکے نتیجہ میں مسائل ہی مسائل ہیں۔ اور حسرتیں ہی حسرتیں ہیں۔ ابھی اور ابھی اور دل کا غلام رہتا ہے۔ بس سوچنا چاہیئے کہ آخر اس زندگی کا مقصد کیا ہے؟ اور اس مقصد کو کس طرح حاصل کیا جا سکتا ہے اور کامیاب زندگی کیا ہے؟ پس ان سوالوں کا جواب ہی فلسفۂ حیات ہے۔ مگر یہ بہت گہرا باب ہے جسکے نہ سمجھ سکنے سے ساری زندگی زیرِ عتاب ہے اور ایسی زندگی عذاب ہی عذاب ہے۔

دنیا میں بہت سارے ایسے دانشور، صاحبِ فہم و فراست، اہلِ ادب، اہلِ ذوق اور اہلِ علم حضرات گزرے ہیں۔ جنہوں نے اس موضوع پر بہت کچھ کہا اور لکھا۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ تصورات یا تو ان کی ذاتی آپ بیتی کی ترجمانی ہوتی ہے یا پھر فلسفیانہ، شاعرانہ اور ادیبانہ ڈائیلاگ سے بڑھ کر ان کی کوئی حقیقت نہیں۔ زندگی کا فلسفہ اور تعریف کرنا عام انسان کے بس کا روگ نہیں ہے اور اسکی تہہ تک پہنچنا مشکل ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ زندگی کا حقیقی فلسفہ زندگی کا خالق ہی بتا سکتا ہے۔ اس مسئلہ کے حل کیلئے جب ہم زندگی کے خالق کیطرف رجوع کرتے ہیں تو وہ اپنی پاک کلام قرآن مجید میں نہ صرف زندگی کے حقیقی فلسفہ کو بیان کرتا ہے بلکہ کامیاب و کامران۔ بامقصد اور نفع رساں زندگی گذارنے کے راز اور اصول بھی ہمیں بتاتا ہے۔

یہی وہ مقصدِ حیات ہے جس سے روشناس کرانے کیلئے اللہ ربّ العزت دنیا کی ہر قوم ہر علاقہ اور ہر دور میں اپنے برگزیدہ انبیاء کو مبعوث فرماتا رہا ہے جو اپنے اپنے دور کے انسانوں کی ذہنی قابلیتوں کے پیشِ نظر انہیں کامیاب زندگی گذارنے کی تعلیم دیتے رہے ہے۔ جب بنی آدم کی ذہنی ترقی کے نتیجہ میں تمام دنیا ایک سٹیٹ کی شکل اختیار کر گئی۔ تو اللہ تعالیٰ نے تمام بنی نوع انسان کو حقیقی فلسفۂ حیات سے روشناس کرانے کیلئے ہمیشہ کیلئے افضل الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ؐ کو مبعوث فرمایا۔ جنہوں نے بنی نوع انسان کو حقیقی فلسفۂ حیات سے روشناس کروایا۔ بلکہ خود ان تمام اصولوں پر عمل کر کے ایک کامیاب زندگی گزار کے ہمیشہ کیلئے اسوۂ حسنہ قرار پائے۔

پس وہ طریقِ عمل جس پر چل کر ایک انسان بامقصد اور کامیاب زندگی گزار سکتا ہے۔ اُسی کو دوسرے لفظوں میں اللہ تعالیٰ نے دین یا مذہب قرار دیا ہے۔ مگر افسوس کہ زندگی کی حقیقت کو نہ سمجھنے والوں نے مذہب کا غلط تصور پیش کر کے دنیا کو مذہبی دنیا سے متنفر کر دیا۔ جسکی وجہ سے آج کا انسان ظلمت کی گہری تاریکیوں میں بھٹکنے لگا ہے۔ جن سے نجات ناممکن ہے۔

پس جب تک یہ زندگی اُس مقصد کیلئے نہ صرف کی جائے۔ جس مقصد کیلئے اسے تخلیق کیا گیا تو یہ نہ حل ہونیوالے مسائل اور خوف کے عذاب سے نہیں بچ سکتی۔ اور وہ مقصد خالق ہستی نے واضح اور واشگاف الفاظ میں فرما دیا ہے۔

پیدا کرنیوالے کے منشاء کے خلاف جو زندگی ہوگی خوف زدہ اور ناکام و نامراد رہے گی خالق سے دوری جس شکل میں بھی ہو ڈر پیدا کرے گی۔ اور خالق کا قرب جس حالت میں بھی ہوگا خوف سے نجات دیگا۔ اب فیصلہ انسان کے اپنے ہاتھ میں ہے۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فلسفۂ حیات اور مقصدِ حیات بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے۔

"میں نے تمام جن و انس کو محض اپنی عبادت کیلئے پیدا کیا ہے۔" (سورۃ الذاریات ۵۸)

ہمارے پیارے آقا حضرت محمد مصطفیٰ ؐ نے عبادت کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ "ہر وہ عمل جس سے مقصود رضائے الٰہی ہو وہ عبادت کہلاتا ہے۔ فرمایا اگر کوئی شخص اپنی بیوی کے منہ میں لقمہ محض اسلئے ڈالتا ہے۔ کہ اُس سے خدا تعالیٰ کی خوشنودی حاصل ہو تو یہ بھی عبادت ہے۔ مزید فرمایا اگر دوست اس بنا پر ایک دوسرے سے دوستی کرتے ہیں کہ انہیں اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہو تو یہ بھی عبادت ہے۔"

مذکورہ بالا آیت کریمہ کی مزید وضاحت یہ حدیثِ قدسی کرتی ہے کہ۔

"میں ایک مخفی خزانہ تھا پس میں نے ارادہ کیا کہ میں پہچانا جاؤں تو میں نے آدم کو پیدا کیا" اب ہم اور زیادہ آسانی سے اپنی زندگی کے مقصد اور فلسفہ کو سمجھ سکتے ہیں اور نہ صرف فلسفۂ حیات سمجھتے ہیں بلکہ مقصدِ حیات کی تکمیل کا گر بھی ہمیں بتا دیا گیا ہے۔ اور وہ راز یہ ہے کہ ہم خدا کے رنگ میں رنگین ہونے کی کوشش کریں اور اسکی صفات کے مظہر بن جائیں اور ایسا عبادتِ الٰہی اور ذکرِ الٰہی سے ہی ممکن ہو سکتا ہے۔ عبادتِ الٰہی اور ذکرِ الٰہی میں شغف اور توجہ ایسی صورت میں پیدا ہو سکتا ہے کہ ہم اپنی زندگی کے مقصد پر غور و فکر کریں۔

اسی حقیقت کو آنحضرت ؐ نے اس حدیث میں بیان فرما دیا ہے کہ "جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا تو اُس نے اپنے ربّ کو پہچان لیا"۔

نفس کی پہچان اور ادراک سے مراد اپنی جسمانی اور روحانی ساخت کے علاوہ اپنے مقام اور کردار اور اُس کے حصول کے ذرائع کو معلوم کرنا ہے اس طریق پر سوچنے سے ہی معرفتِ الٰہی حاصل ہو سکتی ہے۔ اور معرفتِ الٰہی اور اُس کے بعد ذکرِ الٰہی میں ہی ہماری تسکین ہے اور اس میں ہمارے مسائل اور دکھوں کا مداوا ہے۔

پس سب کچھ انسان کے لئے ہے اور انسان کی زندگی خدا کیلئے ہے۔ جو انسان کے پاس امانت ہے۔ جب تک یہ ہمارے پاس ہے۔ اسکی حفاظت ہمارا فرض ہے۔ اگر زندگی ہماری ہے تو ہر دکھ ہمارا ہے۔ اگر زندگی خدا کے لئے ہے تو ہر سکھ ہمارا ہے۔ اس امانت کا حق عبادت اور ذکرِ الٰہی ہے۔ عبادت کیا ہے؟ خدا کی یاد میں اور رضا کیلئے فنا ہے اس میں اس سے لقاء ہے اور لقاء میں ہی ہماری بقاء ہے۔

پس یہی ہماری زندگی کا فلسفہ اور مدعا ہے۔

خلیج کی جنگ جاری ہے۔ اور پھیلتی دکھائی دیتی ہے۔ احباب کرام امنِ عالم کے لئے دعائیں جاری رکھیں۔

Digitized by Khilafat Library Rabwah

نونہالان جماعت

بچّوں کا کالم

پیارے بچو! اللہ تعالیٰ آپ کو صحت اور تندرستی کے ساتھ لمبی عمر عطا فرمائے اور آپ کو ہر موقعہ پر ایک سچے احمدی کا نمونہ دکھانے کی توفیق دے۔

جیسا کہ ہم کئی ہفتوں سے کر رہے ہیں۔ حضرت فضل عمر (اللہ تعالیٰ آپ سے ہمیشہ راضی رہے) کی انگلستان والی تقریر کا تھوڑا تھوڑا حصہ پیش کر رہے ہیں۔ تاکہ آپ اسے آسانی سے پڑھ سکیں اور یاد رکھ سکیں اور جہاں کوئی کرنے والی بات ہو اس پر عمل بھی کر سکیں۔

آج بھی اس تقریر کے تسلسل میں ذیل کی سطور پڑھیئے۔

تقریر:۔

ہجرت صحابہؓ بطرف حبشہ

جب مسلمانوں کی تکلیفیں بہت بڑھ گئیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کو اجازت دے دی کہ وہ حبشہ کو جو اس وقت بھی ایک مسیحی حکومت تھی ہجرت کر کے چلے جائیں۔ چنانچہ اکثر مسلمان مرد و عورت اپنا وطن چھوڑ کر افریقہ کو چلے گئے۔ مکہ والوں نے وہاں بھی ان کا پیچھا نہ چھوڑا۔ بادشاہ کے پاس ایک وفد بھیجا کہ ان لوگوں کو واپس کر دیں تاکہ ہم ان کو سزا دیں۔ یہ مسیحی بادشاہ بہت ہی منصف مزاج تھا جب اس کے پاس وفد پہنچا تو اس نے دوسرے فریق کا بیان سننا پسند کیا۔ اور مسلمان دربار شاہی میں بلائے گئے۔ یہ واقعہ نہایت ہی دردناک ہے۔ ہم قوموں کے ظلموں سے تنگ آ کر اپنے وطن کو خیرباد کہنے والے مسلمان ایبے سینیا کے بادشاہ کے دربار میں اس خیال سے پیش ہوتے ہیں کہ اب شائد ہم کو ہمارے وطن کو واپس کر دیا جائے گا۔ اور ظالم اہل مکہ اور بھی زیادہ ظلم ہم پر کریں گے جب وہ بادشاہ کے سامنے پیش ہوئے تو اس نے پوچھا کہ تم ہمارے ملک میں کیوں آئے ہو۔ مسلمانوں نے جواب دیا کہ اے بادشاہ ہم پہلے جاہل تھے اور ہمیں نیکی اور بدی کا کوئی علم نہیں تھا بتوں کو پوجتے تھے اور خدا تعالیٰ کی توحید سے ناواقف تھے۔ ہر ایک قسم کے برے کام کرتے تھے۔ ظلم ڈاکہ قتل بدکاری ہمارے نزدیک عیوب نہ تھے پھر اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کیا اس نے ہمیں ایک خدا کی پرستش سکھائی اور بدیوں سے ہمیں روکا۔ انصاف اور عدل کا حکم دیا۔ محبت کی تعلیم دی۔ نیکی اور تقویٰ کا راستہ بتایا۔ تب وہ لوگ جو ہمارے بھائی بند ہیں انہوں نے ہم پر ظلم کرنا شروع کیا اور ہم کو طرح طرح کے دکھ دینے شروع کئے۔ ہم آخر تنگ آ کر اپنا وطن چھوڑنے پر مجبور ہو گئے اور تیرے ملک میں آ گئے۔ یہ لوگ ہمیں واپس لے جانے کے لئے یہاں بھی آ گئے ہیں۔ ہمارا قصور اس کے سوا کوئی نہیں کہ اپنے ایک خدا کے پرستار ہیں اس تقریر کا بادشاہ پر ایسا اثر ہوا کہ اس نے مسلمانوں کو واپس کرنے سے انکار کر دیا۔ مکہ کے وفد نے درباریوں سے ساز باز کر کے پھر بھی دوسرے دن بادشاہ کے سامنے وہی سوال پیش کیا اور کہا کہ یہ حضرت مسیح کو گالیاں دیتے تھے۔ بادشاہ نے پھر دوبارہ مسلمانوں کو بلایا انہوں نے جو اسلام کی تعلیم مسیح کے متعلق ہے بیان کی کہ ہم ان کو خدا تعالیٰ کا پیارا اور نبی مانتے ہیں۔ ہاں ہم کسی طرح بھی خدا کے قابل نہیں جانتے۔ کیونکہ ہمارے نزدیک خدا تعالیٰ ایک ہے اور اس بات پر درباری جوش میں آ گئے اور بادشاہ سے مطالبہ کیا کہ وہ ان کو سزا دے مگر بادشاہ نے کہا کہ یہی میرا عقیدہ ہے اور اسی عقیدے کی وجہ سے ان لوگوں کو ظالموں کے ہاتھوں میں نہیں دے سکتا۔ پھر درباریوں سے کہا کہ مجھے تمہارے غصے کی بھی پرواہ نہیں ہے خدا کو بادشاہت پر ترجیح دیتا ہوں

اچھا یہ بتائیں کہ آپ نے اس تقریر کو شروع سے پڑھا ہے۔ اگر نہیں۔ تو اب ضرور پڑھیں۔ ہم تو چاہیں گے کہ آپ الفضل کے وہ پرچے الگ کر لیں جن میں یہ تقریر چھپی ہے یا آئندہ چھپے گی تاکہ آپ جب چاہیں اس تقریر کو۔ ساری کی ساری۔ پڑھ سکیں۔

حضرت امام جماعت ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے کسی خطبہ کا خلاصہ۔ ایک فل سکیپ صفحہ۔ آپ کو لکھنا ہے اور ہمیں بھیجنا ہے۔ امید ہے آپ نے یہ بات بھلا تو نہیں دی ہو گی۔

○ عابدہ زاہد قاضی لکھتی ہیں کہ جب میں نے یہ پڑھا کہ آپ نے ہمیں نظم اور نثر لکھنے کی دعوت دی ہے تو اگرچہ میں نے کبھی نظم نہیں کہی لیکن میں قلم دوات لے کے بیٹھ گئی اور حضور انور کی عقیدت میں اور دوستوں کو حوصلہ دینے کے لئے ایک غزل لکھ ڈالی۔

عابدہ زاہد قاضی! آپ نے بہت اچھا کیا۔ اگر اسی جذبے کے ساتھ اور لگن کے ساتھ لکھتی رہیں تو یقیناً بہت اچھے شعر کہنے لگیں گی۔ بس لکھتی رہیئے اور جو کچھ لکھیں اسے بار بار پڑھ کر دیکھیئے کہ آپ کی کوشش کیسی رہی۔

○ عزیزہ منصورہ حنا لکھتی ہیں کہ الفضل کے قارئین ان کے لئے دعا کریں

باقی صفحہ ۸ پر

بقیہ: صفحہ ۵ سے آگے

اور پھر عام دھاوا ہو جاتا تھا۔ جنگ میں عرب لوگ عموماً تین قسم کے ہتھیار استعمال کرتے تھے۔ تیر کمان۔ نیزہ اور تلوار۔ بچاؤ کے واسطے زرہ اور خود استعمال کی جاتی تھیں عرب لوگ جنگ گھوڑے پر بھی کرتے تھے اور پیدل بھی۔ لیکن بہادروں کے درمیان یہ بہادری کی علامت سمجھی جاتی تھی کہ لڑائی کے وقت گھوڑے سے اتر کر اپنے عزیز گھوڑے کی کونچیں کاٹ کر اسے نیچے گرا دیں تاکہ یہ ثابت ہو کہ ہم اپنے واسطے بھاگنے کا کوئی راستہ کھلا نہیں رکھا جنگوں میں باربرداری کے لئے اونٹ استعمال ہوتا تھا۔

عربوں میں بہادری اور شجاعت نہایت اعلیٰ وصف سمجھے جاتے تھے اور عرب شاعر اپنی اور اپنے قبیلہ کی بہادری کے کارنامے دلی جوش و خروش کے ساتھ منظوم کرتے تھے اور بہادری گویا ان کے قومی خصائل میں سب سے نمایاں تھی۔ موت کے ڈر کو ایک سخت قابل شرم بات خیال کیا جاتا تھا۔ اور موت سے ڈرنے والا سب کی نظروں میں مطعون ہو جاتا تھا۔ دراصل بہادری عربوں کی زندگی کے ساتھ بطور لازم و ملزوم تھی۔

عربوں کی غیرت اور غرور کے قصے بھی بہت مشہور ہیں۔ عمرو بن کلثوم کا مشہور معلقہ جس میں وہ عمرو بن ہند کو خاص عربی انداز میں مخاطب کرتا ہے عربوں کی غیرت کی ایک عام مثال ہے۔ عموماً عرب لوگ اپنے مفاد کے مقابلہ میں عہد و پیمان کا زیادہ پاس کرتے تھے تاہم عربوں کے اندر وفاداری کی بعض مثالیں حیرت انگیز ہیں۔ سموئل بن عادیہ نے امرؤ القیس کی امانت کی حفاظت میں اپنے جوان بیٹے کے قتل کی پرواہ نہیں کی۔

عربوں کی سخاوت ایک نہایت اعلیٰ وصف سمجھا جاتا تھا اور پڑوسی اور مہمان کی حفاظت ان کے دین و مذہب کا حصہ تھی۔ مہمان نوازی تو عربوں کی فطرت میں تھی۔ رات کو کسی اونچی جگہ آگ جلا رکھتے تھے۔ تاکہ اسے دیکھ کر مصیبت زدہ مسافران تک پہنچ سکے۔ مہمان کی خاطر گھر کا سب کچھ خرچ کر ڈالنے میں دریغ نہ تھا۔ اس ضمن میں عرب کے مشہور رئیس حاتم طائی کی سخاوت و مہمان نوازی کے قصے زبان زد خلائق ہیں۔

قبیلہ کی پاسداری عربوں کا فرض عین تھا۔ ایک شاعر فخریہ کہتا ہے کہ "میں تو قبیلہ غزیہ سے ہوں۔ اگر وہ غلطی کریں تو میں بھی غلطی کروں گا اور اگر غزیہ ٹھیک راستہ پر چلیں تو میں بھی ٹھیک راستہ پر چلوں گا"

عرب میں اپنے حسب نسب پر فخر کرنے کی عادت عام تھی اور اپنے باپ دادوں کے کارناموں کا فخریہ لہجہ میں ذکر کرنا ان کا خاصہ تھا۔ یہ اسی تکبر کا نتیجہ تھا کہ عرب لوگ غلاموں اور خادموں کو نہایت حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے۔

دشمن کے ساتھ معاملہ کرنے میں عرب لوگ عموماً ظالم اور سخت گیر تھے۔ ثار کا خونی عقیدہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔ یہ گویا عرب کے دین و مذہب کا جزو اعظم تھا۔ ثار کے مقابلہ میں خدائی قضاء و قدر کی بھی پروا نہ تھی ایک شاعر کہتا ہے۔

سا غسل عنی العار بالسیف جالباً
علی قضاء اللہ ما کان جالباً

"میں اپنے اوپر سے شرم و عار کو ضرور تلوار کے ساتھ دھوؤں گا۔ پھر اللہ کی قضاء مجھ پر جو چاہے لا دے مجھے پرواہ نہیں"

عرب لوگ نہایت ذکی اور ذہین تھے اور ان کا حافظہ غضب کا تیز تھا۔ چنانچہ قدیم سے ان کا دستور تھا کہ اپنی تمام قومی اور خاندانی روایات کو یاد رکھتے تھے اور مختلف موقعوں پر سناتے رہتے تھے۔ جنگ میں جب دو جانباز سپاہی مقابلہ کے واسطے آگے بڑھتے تھے تو پہلے ایک دوسرے کا حسب نسب ضرور دریافت کرتے تھے اور اگر کوئی نیچ ذات کا ہوتا تھا تو اس کو اپنے مقابلہ میں آنے کی اجازت نہ دیتے تھے۔

عربوں میں سال اور ماہ چاند کی گردش کے حساب سے شمار کئے جاتے تھے اور بارہ مہینوں میں سے پہلا، ساتواں اور آخری دو مہینے عزت کے مہینے سمجھے جاتے تھے جن میں ہر قسم کا قتال ممنوع تھا۔ لیکن بعض اوقات اپنی سہولت کے واسطے عرب انہیں آگے پیچھے بھی کر لیتے تھے تاکہ اگر کوئی ضرورت آ پڑے تو ان مہینوں میں بھی بلا خوف گناہ جنگ و جدال کر سکیں اس رسم کو نسئی کہتے تھے

Digitized by Khilafat Library Rabwah

ڈاکٹر اور دیہات

پنجاب میڈیکل کالج فیصل آباد کی تقریبِ تقسیم انعامات کے موقعے پر پنجاب کے وزیر اعلیٰ نے نئے ڈاکٹروں سے اس بات کی توقع کا اظہار کیا کہ وہ نظریۂ پاکستان کو پھیلانے والے ہوں گے۔ انہوں نے کہا کہ اس وقت خاص طور پر ڈاکٹر صاحبان کو اس احساس کی ضرورت ہے کہ دکھی انسانیت ان کی خدمت کی محتاج ہے اب جبکہ اس خطے میں جنگ بھی بھڑک اٹھی ہے ڈاکٹروں کی ذمہ داریاں خاصی بڑھ گئی ہیں۔ انہوں نے اس بات پر افسوس کا اظہار کیا کہ باوجود اس کے کہ اس زمانے میں انسان خاصی ترقی کر چکا ہے وہ اس قابل نہیں ہوا کہ جنگ کو روک سکے۔ وزیر اعلیٰ نے کہا کہ

پنجاب کی حکومت نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ ہر نئے ڈاکٹر کو ابتدا میں دو سال تک دیہات میں کام کرنا ہوگا۔ ڈاکٹروں کا فرض ہے کہ وہ غریبوں کی امداد کریں اور نادار کسانوں اور مزدوروں کو طبی امداد بہم پہنچائیں۔ جو لوگ دیہات میں رہتے ہیں انہیں ایسی سہولیات بہت کم میسر آتی ہیں۔ نئے ڈاکٹروں کو خاص طور پر اس طرف توجہ دینی چاہیئے کہ ملک کی ضروریات ملک ہی میں پوری کرنی ہیں۔ اگر یہ لوگ ایسا نہ کریں تو کیا باہر سے آ کر لوگ یہ ضروریات پوری کریں گے۔ اس موقعے پر وزیر اعلیٰ نے ۱۵ لاکھ روپے کی گرانٹ کا اعلان کیا تاکہ لڑکوں کے ہوسٹل میں فرنیچر فراہم کیا جا سکے اور یہ بھی وعدہ کیا کہ اگلے سال وہ لڑکیوں کے ہوسٹل کے لئے بھی فنڈ مہیا کریں گے۔ لائبریری کے لئے ۴ لاکھ کی رقم مختص کی گئی۔ اور اس کے علاوہ طالب علموں کے لئے دو لبسیں دینے کا بھی وعدہ کیا گیا۔

آپ کی تقریر سے قبل کالج کے پرنسپل صاحب نے اپنی رپورٹ میں تدریسی اور غیر تدریسی کاموں کا ذکر کرتے ہوئے حاضرین کو بتایا کہ کالج کے طلبا اس طرح بھرپور دلچسپی لے کر کالج کے نام کو بلند کر رہے ہیں۔

بقیہ: صٓ ۳ سے آگے

آپ کو چٹان میں سے نکلے ہوئے ایک پتھر کے نیچے چھپ کر نماز پڑھنی پڑتی۔ مگر اس کے باوجود آپ خدائے واحد کا نام بلند کرتے چلے گئے اور ان لوگوں کی ہدایت کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعائیں بھی کرتے رہے۔

بقیہ: صٓ ۷ سے آگے

کہ اللہ تعالیٰ انہیں بہت بہت زیادہ خدمتِ دین کا موقع دے اور اس بات کی توفیق دے کہ وہ اس کی رضا کی راہوں پر چل سکیں اپنے چھوٹے بہن بھائیوں کی امتحانات میں کامیابی کے لئے بھی دعا کی درخواست کرتی ہیں۔

نیز منصورہ حنا لکھتی ہیں "کتابیں ذہین لوگوں کا ورثہ ہیں جو ایک نسل سے دوسری نسل کو منتقل ہوتا ہے۔ دار المطالعہ میں بیٹھ کر علم ملکا کیا جا سکتا ہے۔ کتابیں پھول ہیں۔ کتابوں سے بھرا ہوا گھر پھولوں سے بھرا گھر ہے۔ کوئی فرنیچر کتابوں سے بہتر نہیں ہوتا۔

اچھا خدا حافظ!

بقیہ: صٓ ۱ سے آگے

اور فرمایا کہ دیکھو۔ تم سے پہلے ایسے لوگ گزرے ہیں جن کے گوشت کو لوہے کی کنگھیوں سے اس طرح نوچا گیا کہ ہڈیوں سے گوشت الگ کر دیئے لیکن انہوں نے صبر کا دامن نہیں چھوڑا۔ اور اپنے مسلک سے انحراف نہیں کیا۔ پھر آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ دیکھو۔ تم سے پہلے ایسے لوگ گزرے ہیں جن کے سر کو آروں سے اس طرح چیرا گیا کہ ان کے سر دو نیم ہو گئے لیکن نہ تو وہ اپنی زبان پر بے صبری کا کوئی کلمہ لائے اور نہ اپنے دین سے انہوں نے انحراف کیا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کہہ کر فرمایا کہ لازماً میرا خدا اپنے کام کو پورا کرے گا۔ جو اس نے میرے سپرد فرمایا ہے۔ لازماً اللہ تعالیٰ اپنے وعدوں کو پورا کرے گا یہاں تک کہ عرب کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک اسلام پھیل جائے گا اور امن و امان قائم ہو جائے گا۔ اگر کوئی شخص سفر کرے گا تو خواہ وہ نہتا اور کمزور ہے پھر بھی اس کو کوئی خطرہ نہیں ہوگا۔ پس میں بھی جماعت کو یہ کہتا ہوں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو اصدق الصادقین تھے آپ کے منہ سے نکلے ہوئے قول اور آپ کے منہ کی نکلی ہوئی باتیں لازماً اٹل ہیں وہ لازماً پوری ہونگی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صبر کا جو رستہ تجویز فرمایا تھا اس کو پکڑے رکھیں۔"

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۲ اپریل ۱۹۸۳ء)

خبریں

ملکی خبریں

○ وزیر اعظم ایرانی راہنماؤں کے ساتھ خلیج کی صورتِ حال پر مذاکرات کے بعد اب ترکی گئے ہیں۔ ان کا مصر اور شام جانے کا بھی پروگرام ہے۔ دریں اثناء اُردن نے کہا ہے کہ جنگ کی صورت حال کی وجہ سے ہم پاکستانی رہنما کو اپنے ملک کے دورہ کی دعوت دینے سے قاصر ہیں۔

○ ایران نے ضرورت کے مطابق پاکستان کو خام تیل مہیا کرنے کا وعدہ کیا ہے۔

○ امیر جماعت اسلامی نے صدرِ مملکت کے ساتھ ملاقات کے بعد کہا کہ صدر کہتے ہیں کہ پاکستانی فوج اتحادیوں میں شامل نہیں لیکن خود اتحادیوں نے اعلان کیا ہے کہ پاکستانی فوج ان میں شامل ہے۔

○ ملک کے طول و عرض میں عراق پر امریکی حملے کے خلاف مظاہروں کا سلسلہ جاری ہے۔ معروف شاہراہوں پر مظاہرین نے ٹائر جلا کر ٹریفک جام کر دی۔ لاہور کے کاروباری مراکز میں جزوی ہڑتال رہی۔

○ گوجرانوالہ میں دو سینماؤں میں آتش زدگی کی وجہ سے لاکھوں روپے کا سامان جل کر تباہ ہو گیا۔

غیر ملکی خبریں

○ عراق نے اسرائیل پر میزائیلوں کا ایک اور حملہ کیا ہے۔ عراق کی طرف سے پھینکے گئے تین سکڈ میزائیلوں میں سے دو کو امریکی میزائیلوں نے تباہ کر دیا۔ تیسرا میزائل تل ابیب کے گنجان آباد علاقے پر گرا جس کے نتیجہ میں ابتدائی اطلاعات کے مطابق ۳ افراد ہلاک اور ستر سے زیادہ زخمی ہو گئے۔ اسرائیلی ذرائع کا کہنا ہے کہ ان میزائیلوں میں کیمیاوی مادہ نہیں تھا۔

○ اتحادی فوجوں کی بحری اور فضائی افواج نے بصرہ اور بغداد پر زبردست بمباری کی ہے۔ عراقی ذرائع کے مطابق ایک عجائب گھر کے علاوہ نجف اور کربلا کے مقدس مقامات کو بھی نشانہ بنایا گیا ہے۔

○ امریکی صدر اور اس کے اتحادی ملکوں کے سربراہوں اور یو این او کے سیکرٹری جنرل نے عراق کی طرف سے جنگی قیدیوں کو دفاعی تنصیبات کے قریب رکھنے کی مذمت کی ہے۔ عراقی صدر نے کہا ہے کہ ہم جنیوا کنونشن پر غور کریں گے لیکن اسرائیل کو بھی مجبور کیا جائے کہ مقبوضہ عرب علاقوں میں گرفتار کئے جانے والے فلسطینی قیدیوں کے بارہ میں اس قانون پر عمل کرے۔

○ عراق نے دعویٰ کیا ہے کہ اس نے حملہ آوروں کے مزید ۲۳ طیارے مار گرائے ہیں۔

دانتوں کا معائنہ مفت
احمد ڈینٹل کلینک
طارق مارکیٹ اقصیٰ چوک ربوہ
اوقات کار: ۳½ شام تا ۷ بجے
ڈینٹسٹ: رانا مدثر احمد

قدرتِ ثانیہ کے مظہرِ اوّل کے مشہور شاگرد
حضرت حکیم نظام جان کا
مشہور دواخانہ (رجسٹرڈ)
بے اولاد۔ نرینہ اولاد سے محروم
اٹھراء۔ بچوں کا سوکھا پن
گوجرانوالہ فون ۴۸۴۴، ربوہ فون ۹۰۶
قلعہ کالر والہ، لاہور، ملتان، کراچی